P. No. [illegible]

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۴۔ شمارہ ۲۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جولائی ۱۹۶۵ء

اداریہ

ہر پہلو کی نگہداشت ضروری ہے

ادھر اردو دوستوں کے جو بھی اجتماع ہوئے ہیں ان میں بجا طور پر صدرِ جمہوریہ کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت اپنے اختیارات استعمال کریں اور اتر پردیش اور دوسرے صوبوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابلِ لحاظ آبادی ہے، ہندی یا کسی اور علاقائی زبان کے ساتھ سرکاری طور پر اردو کو بھی تسلیم کریں۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ ان اجتماعات میں کئی سیاسی پارٹیوں کے نمائندے شریک ہوئے ہیں۔ گویا اس طرح اردو کے کیس کو اور بڑی عوامی تائید حاصل ہوئی ہے۔

اس کے ساتھ ہمیں اردو تحریک کے دوسرے پہلوؤں کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔ مثلاً جولائی سے اسکولوں میں داخلے شروع ہوں گے۔ اس کے لیے اردو دوستوں کو اپنے اپنے حلقے میں ابتدائی اور ثانوی درجے پر اردو کی تعلیم کے لیے انتظام کرانا ہے۔ پہلے شہروں میں ایسے محلے انتخاب کیے جائیں جہاں اردو کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم کا انتظام نہیں ہے اور اگر ہے تو ناکافی ہے۔ ان شہروں کے اربابِ اختیار سے اردو دوستوں کے وفد ملیں اور سرپرستوں کی طرف سے درخواستیں ان کی خدمت میں پیش کریں۔ درخواستوں کی نقلیں لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو بھی بھیج دیں۔ ہو سکتا ہے شروع میں ہر جگہ کامیابی نہ ہو، لیکن ذرا سی جد و جہد سے خاصی کامیابی کا امکان ہے۔ اسی کے ساتھ مڈل اسکولوں میں تیسری زبان کے طور پر اردو کی پڑھائی کا سوال ہے۔ اگر ایک دفعہ اس میں کامیابی نہ ہوئی تو خاموش ہو کر بیٹھ جانا غلط ہے۔ ہمیں بار بار کوشش کرنی ہوگی اور اس سلسلے میں ڈائرکٹر تعلیم اور لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو بھی توجہ دلانی ہوگی۔ کمشنر نے تجویز کی تھی کہ ہر اسکول میں ایڈوانس رجسٹر رکھے جائیں جن میں ان طلباء کی فہرست ہو جو اردو میں تعلیم چاہتے ہیں۔ اس تجویز پر عمل اس وجہ سے نہیں ہو پاتا کہ مقامی طور پر ایک دو دفعہ کوشش کے بعد لوگ مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہاں عملِ پیہم کا سوال ہے۔

پھر ایک اور بات ذہن میں رکھنی ہے۔ گو دستور کی رو سے ہم جمہوری طریقۂ کار کے پابند ہیں اور جمہوری روایات کے احترام میں اقلیتوں کی دلدہی ضروری ہے لیکن بدقسمتی سے عمل میں ایسا نہیں ہوتا۔ آج بھی یہ حقیقت ہے کہ ریاستی حکومتوں نے جہاں جہاں اردو کی تعلیم کے لیے سہولتیں بھی دی ہیں وہ بیشتر کاغذ پر ہیں، عمل کی دنیا میں ان سے فائدہ نہیں پہنچا۔ اس لیے فرض کر لیجیے کہ صدرِ جمہوریہ نے دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو اتر پردیش یا کسی اور ریاست میں سرکاری حیثیت سے تسلیم بھی کر لیا تو عمل کی دنیا میں سابقہ تو انھیں کارکنوں سے پڑے گا جو اس حکم اور اس کے سلسلے کے دوسرے احکام کو طاقِ نسیاں کی نذر کر دیں گے۔ اس لیے صدر سے مطالبہ تو کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہمارا جمہوری حق ہے اور حکومت کو اس کا فرض بھی برابر یاد دلاتے رہنا چاہیے۔ لیکن مختلف سیاسی پارٹیوں کے ذریعہ سے اکثریت کے ذہن کو کسی نہ کسی طرح بدلنا ہے۔

اس شمارے میں

اس وجہ سے یہ لازمی ہے کہ اردو کے کام میں ہر منزل پر ہر مذہب اور ہر سیاسی مسلک کے لوگ شریک ہوں، مقامی سطح پر بھی، ریاستی سطح پر بھی اور آل انڈیا سطح پر بھی۔ پھر اردو دوست اپنے طور پر اپنی بساط کے مطابق خود بھی کچھ اسکول چلائیں۔

ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ حکومت کو اس کا فرض نہ یاد دلایا جائے یا صدر جمہوریہ سے مطالبہ نہ کیا جائے، ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلے کی تہ تک جائیں اور اکثریت کے ذہن کو کسی نہ کسی طرح بدلیں۔ اس کے لیے اردو دوستوں کو قومی زندگی میں اور جوش و خروش سے حصہ بھی لینا ہوگا، تمام سیاسی پارٹیوں کا محض زبانی نہیں بلکہ عملی تعاون بھی حاصل کرنا ہوگا، لوگوں کے شبہات بھی دور کرنے ہوں گے اور خود بھی ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کا ایک جال بچھانا ہوگا۔ مطالبے کے ساتھ ساتھ کچھ کرنے سے ہم منزلِ مقصود سے جلد ہمکنار ہو سکیں گے۔

سیر بین

مرکزی حکومت نے اس جیوری کے ممبروں کا تقرر کر دیا ہے جو بین الاقوامی مفاہمت کے لیے "نہرو انعام" دے گی۔ جیوری میں نائب صدر جمہوریہ ہند اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے علاوہ، پانچ ممبر تین سال کے لیے ہوں گے۔ ان پانچ ممبروں میں مسز پنڈت، مسٹر پالکی والا، ڈائرکٹر ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ، ایم چیلاپتی، ڈاکٹر ڈی۔ ایس۔ ریڈی وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی، اور جسٹس شیلاٹ چیف جسٹس گجرات ہائی کورٹ ہیں۔ ہندوستانی کونسل برائے تہذیبی تعلقات اس انعام کے لیے انتظامات کرے گی۔ یہ انعام تمام دنیا کے افراد یا اداروں کو دیا جا سکتا ہے۔ انعام ایک لاکھ روپیہ کا ہوگا۔ انعام پانے والے کو ہندوستان آنے اور ایک لیکچر دینے کی دعوت دی جائے گی۔ پہلے انعام کا اعلان ۱۴ نومبر کو ہوگا۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ پہلا انعام کسی غیر ملکی کو دیا جائے۔ اس سلسلے میں صدر ناصر کا نام فوراً ذہن میں آتا ہے۔

بالآخر ہندوستانیوں نے بھی ایورسٹ کو فتح کر لیا۔ اس سے پہلے امریکہ کی ایک پارٹی نے تین دفعہ ایورسٹ کی چوٹی پر اپنا جھنڈا گاڑا تھا، مگر ہندوستان نے یہ ریکارڈ بھی توڑ دیا اور کیپٹن کوہلی کی ٹیم کی چار پارٹیاں یکے بعد دیگرے ایورسٹ کی چوٹی پر پہنچ گئیں۔ ٹیم نے واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا جس کے لیے وہ ہم سب کی مبارکباد کی مستحق ہے۔ ایک ممبر نے بتایا! کہ ایورسٹ کی چوٹی پر چار آدمی بیک وقت کھڑے ہو سکتے ہیں۔ کوئی ہندی والوں کو بھی یہ بتا دے جو ہندی کی ریاستوں میں ایک سے زیادہ سرکاری زبان گوارا نہیں کر سکتے۔

لیجیے صاحب ایک اور اصطلاح افسانہ نکلی۔ مشہور تھا کہ دوسری جنگ عظیم میں ناروے کے کوئزلنگ نے ہٹلر کو ناروے پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور اقتدار حاصل کرنے میں اس کی مدد کی۔ اسی لیے انگریزی زبان میں کوئزلنگ غدار کے مترادف ہو گیا اور اب تو عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ حال میں پال ہیونس نے ایک کتاب لکھی ہے جو انگلستان سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں وہ ثابت کرتے ہیں کہ کوئزلنگ ایسا برا نہ تھا اور گو اس نے جرمنوں سے اشتراک کیا، مگر یہ کہنا کہ اس نے ہٹلر کو دعوت دی تھی اور ناروے پر قبضہ کرایا تھا صحیح نہیں ہے۔ بہرحال حقیقت کچھ ہو، لفظ تو اب غدار کے لیے مشہور ہو گیا اور جو کوئی اپنے ملک و قوم سے غداری کرے گا اس کے لیے کوئزلنگ کا لفظ استعمال کیا جائے گا۔ کوئزلنگ کا ریکارڈ ممکن ہے بہت سیاہ نہ رہا ہو مگر ایسا صاف بھی نہ تھا۔

جشن ڈاکٹر صفدر آہ

مشہور شاعر ادیب اور مقالہ نگار ڈاکٹر صفدر آہ کی کتاب "ہندوستانی ڈراما" (شائع کردہ پبلیکیشنز ڈویژن دہلی) پر یو۔ پی گورنمنٹ نے جو گرانقدر انعام دیا ہے اس سلسلے میں ان کے وطن سیتاپور میں ایک شاندار تقریب منانے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا جائے گا۔ اور ایک شاندار مشاعرہ بھی منعقد کیا جائے گا جو وسط جولائی میں ہوگا۔ ہندی کے مشہور ادیب ڈاکٹر نول بہاری مصرا کی صدارت میں "جشن ڈاکٹر صفدر آہ کمیٹی" کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل بھی کی گئی ہے۔

(نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو ہند شاخ کلکتہ کا اشاعتی پروگرام

ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ انجمن ترقی اردو (شاخ کلکتہ) نے اپنا اشاعتی پروگرام شروع کر دیا ہے چنانچہ پہلی کتاب "سیل اشک" چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ یہ اردو کے مشہور شاعر اشک امرتسری مرحوم کا مجموعۂ کلام ہے جسے علقمہ شبلی اور اعزاز افضل صاحبان نے ترتیب دیا ہے۔

(جنرل سکریٹری)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

بات کرنے میں گزرتی ہے ..... [1]

امریکہ میں اردو کی تعلیم کے انتظام کو بہتر بنانے کے لیے سب سے بڑی ضرورت TEHCHING MATERIALS کی ہے۔ اردو کے کچھ ریڈر برکلے اور شکاگو سے شائع ہو چکے ہیں، لیکن انھیں پڑھاتے ہوئے مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب طالب علم بول چال کی زبان سیکھ چکنے کے بعد ادبی زبان کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ ہمارے پاس ابھی ایسی کوئی چیز نہیں جو طالب علم کو بتدریج اس راہ پر آگے بڑھنے میں مدد دے۔ چنانچہ میں نے جس ادبی ریڈر کا ڈول ڈالا ہے، اس کے اسباق میں زبان کو درجہ بدرجہ پیش کیا جائے گا، یعنی اسباق میں مشکل الفاظ، محاورے اور صرفی و نحوی ترکیبیں بتدریج بڑھائی جائیں گی۔ اس نقطۂ نظر سے تمام انتخابات کو دوبارہ لکھا جائے گا اور طلبا کی ضرورتوں کی روشنی میں اصل متن کو ضروری ترمیم و تنسیخ کے بعد پیش کیا جائے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ اس ریڈر میں میر امن، غالب، حالی، آزاد، رسوا، سرشار، پریم چند، عبدالحق، عابد حسین، رشید احمد صدیقی، ذاکر حسین، کرشن چندر، آل احمد سرور، احتشام حسین، وغیرہ کی تحریروں سے اقتباسات ہوں۔ پنج تنتر، جاتک، الف لیلیٰ، مثنوی رومی اور گلستان سعدی سے چند آسان حکایتیں بھی لی جائیں گی۔ مغلیہ تہذیب، سرسید اور پریم چند پر مضامین بعض معتدد ادیبوں سے بطور خاص لکھوائے گئے ہیں۔ صحافتی اردو کے نمونوں کے لیے مولانا آزاد اور جواہر لال نہرو کی تقریروں اور بعض پارلیمانی مباحثوں سے اقتباسات شامل کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ الجمیعۃ دہلی، قومی آواز لکھنؤ، امروز لاہور اور جنگ کراچی کے اداریوں سے بھی انتخاب کیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو ادبی اور تاریخی تحریروں کے ساتھ ساتھ صحافتی زبان سے بھی روشناس کرایا جا سکے۔ اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ انتخابات سے ملک کی تہذیب و معاشرت اور تاریخ و تمدن پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہو۔ ادب کا مطالعہ محض ادب کی حیثیت سے غیر ملکی طالب علم کے لیے (اور پھر ابتدائی یا ثانوی طالب علم کے لیے) کوئی معنی نہیں رکھتا۔ زبان و بیان کی نئی باریکیوں اور طرزِ تحریر کی جمالیاتی خوبیوں سے لطف اندوز ہونے کی منزل بہت بعد میں آتی ہے۔ غیر ملکی طالب علم کی نظر سب سے پہلے تو ادب کے تہذیبی روابط اور اس کے سماجی محرکات پر پڑتی ہے۔ میں نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ (کم از کم نثر کی حد تک) اردو کے اہم نمونوں کے ساتھ ساتھ کچھ تحریریں ایسی بھی شامل کی جائیں جن سے ہماری ذہنی اقدار اور تہذیبی قدروں کا پتہ چل سکے۔ اس ریڈر کی ترتیب کا کام DEPARTMENT OF STATE OFFICE OF EDUCATION WASHINGTON D.C. کے ساتھ ایک معاہدے کی رو سے انجام پا رہا ہے اور کتاب فروری ۱۹۶۶ء میں وس کانسن یونی ورسٹی پریس سے شایع ہوگی۔

اب تک میں یہاں انگریزی میں اردو کی جن درسی کتابوں کا کام ختم کر چکا ہوں، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) HANDBOOK OF URDU SOUNDS AND SCRIPT اس کے تین حصے ہیں۔ پہلے میں آوازوں کی بحث ہے، دوسرے میں رسم الخط کے توضیحی چارٹ ہیں اور تیسرے میں مشق کے اسباق ہیں۔

(۲) SERIAL GLOSSARY آزمائش (ڈرامہ) محمد مجیب

(۳) " " ایک چادر میلی سی (ناول) راجندر سنگھ بیدی

(۴) " " ریختگان اردو (انتخاب) سی۔ ایم نعیم

مندرجہ بالا چاروں کتابیں DITTO پر شایع ہو چکی ہیں اور وس کانسن یونی ورسٹی کے علاوہ امریکہ اور کینیڈا کی بعض دوسری یونیورسٹیوں میں بھی استعمال ہونے لگی ہیں۔ آخری تین ایک طرح کی وضاحتی فرہنگیں ہیں جن میں الفاظ کے تلفظ، ان کی نحوی حیثیت اور فوری اور ثانوی معانی اور تعلیقات متن کی ترتیب کے لحاظ سے درج کیے گئے ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ میں نے انگریزی سے اردو میں ابتدائی اور ثانوی ترجمے کی مشقیں بھی مرتب کی ہیں اور اردو کی بنیادی گرامر پر کچھ اسباق بھی تیار کیے ہیں۔

اردو ادب کے کورس پڑھاتے ہوئے اچھی غزلوں، نظموں، افسانوں اور ناولوں کے انگریزی ترجموں کی کمی کا بری طرح احساس ہوتا ہے۔ ہمارے شاعروں اور مصنفین میں سے سوائے اقبال اور پریم چند کے انگریزی میں کوئی صحیح معنوں میں روشناس نہیں کرایا گیا۔ رام بابو سکسینہ اور گراہم بیلی کی تاریخیں اوراقِ پارینہ ہو چکی ہیں۔ محمد صادق کی کتاب جو حال ہی میں اکسفورڈ سے شایع ہوئی ہے اپنی جگہ خوب ہے، لیکن جدید ادب کے بارے میں یہ بھی زیادہ دور تک ساتھ نہیں دیتی۔ یوں تو اردو ادب سے متعلق انگریزی میں کم از کم دو ڈھائی سو مضامین اور کتابیں موجود ہیں، (ان میں سے تقریباً ایک سو ماخذ کی فہرست میں نے AN ADDITIONAL BIBLIOGRAPHY OF ENGLISH SOURCES FOR URDU LITERATURE کے عنوان سے مرتب کی ہے جو عن قریب شکاگو سے شائع ہوگی) لیکن ان میں سے بیشتر ہم ہندوستانیوں کی "بابو انگریزی" میں ہیں، جسے یہاں کوئی سونگھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اچھے ترجمے تو نہ ہونے ہی کے برابر ہیں۔ پہلے تو انتخاب ہی ناقص ہیں، پھر اگر کسی نے انتخاب اچھا

[1] اس سلسلے کا پہلا مضمون ملاحظہ ہو، رسالہ سب رس، حیدر آباد، مئی ۱۹۶۵ء "اردو گھر سے باہر"

کر بھی لیا تو ترجمے میں یہ التزام رکھا ہے کہ اصل کی ایک بھی خوبی انگریزی میں نہ کھونے پائے۔ یہاں کے طالب علم چونکہ تنقید سے زیادہ تخلیق میں اور دوسروں کی رائے سے زیادہ خود اپنی رائے قائم کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں، اردو ادب کے اچھے ترجموں کی سخت ضرورت ہے۔ اس وقت شاہکار ترجموں کے لیے انجمن UNESCO کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ان کے اعلان ناموں میں یوں تو تقریباً سبھی اہم کتابوں کے نام ہیں، مثلاً غالب، میر، نظیر اکبر آبادی، اکبر الہ آبادی کے منتخب کلام کے تراجم، مقدمۂ شعر و شاعری، آب حیات، باغ و بہار، مسدس حالی، بال جبریل، ضرب کلیم، مشرقی تمدن کا آخری نمونہ، فردوس بریں، یادگار غالب، انتخاب طلسم ہوش ربا، تذکرہ (مولانا آزاد) لیکن بات تب ہے جب ترجمے ہو چکیں اور کتابیں شائع ہوں!

UNESCO کا اصول ہے کہ ترجمہ صرف ان لوگوں سے کرایا جاتا ہے، جن کی مادری زبان انگریزی ہو اور جو اردو میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے ہوں! اور یہ واقعہ ہے کہ ایسے ماہرین ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔ امریکہ میں کچھ اسکالر تیار ہو رہے ہیں لیکن انھیں کام شروع کرنے میں ابھی چار پانچ سال اور لگیں گے۔ میں نے اپنے امریکی ساتھی فنکار کے ساتھ مل کر اردو افسانوں کی ایک انتخابی انگریزی ترجمے میں مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا ہے، اس میں تقریباً بیس افسانے ہوں گے اور ہندوستان اور پاکستان کے تقریباً سبھی افسانہ نگاروں کی نمائندہ تخلیقات شامل ہوں گی۔ ترجمہ زیادہ تر امریکی اسکالر اور اردو داں حضرات مل کر کریں گے۔ کچھ ترجموں کا کام کینیڈا اور لندن میں بھی ہو رہا ہے۔ خود میں نے اب تک چھ کہانیوں کا ترجمہ مکمل کیا ہے، جن میں پریم چند، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، غلام عباس، سہیل عظیم آبادی، خدیجہ مستور کی نگارشات شامل ہیں، اور باقی تراجم کا کام جاری ہے۔

یہاں علمی اور تحقیقی کاموں کے لیے تو فضا بے حد سازگار ہے، لیکن تفریحی مشاغل کی بھی کمی نہیں۔ وس کان سن یونی ورسٹی کیمپس پر تہذیبی اور ادبی پروگراموں کا سب سے بڑا مرکز MEMORIAL UNION ہے۔ یہاں "پر تکلف اور بے تکلف" ریستوران، لیکچر ہال، آرٹ نمائش کے کمرے، تیراکی اور سیر و شکار کے کلب، ٹیلی ویژن دیکھنے کی آرام گاہیں، پڑھنے، سستانے، گپ لڑانے اور ریکارڈ بجانے کے کمرے، سنیما اور تھیٹر سب کچھ ایک ہی بڑی عمارت میں موجود ہے۔ فرانس، برطانیہ، اٹلی، یونان، روس اور جاپان کے بعض بہترین فلمیں میں نے یہیں دیکھی ہیں۔ تھیٹر میں آئے دن شکسپیر، برنارڈ شا، ڈنیل، ال بی ہنری جیمز وغیرہ کے شاہکار پورے اہتمام کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔ یوں تو نئے شاعروں، ناول نویسوں، ڈرامہ نگاروں کے خود اپنے ادب سے اقتباسات سنانے سے لے کر مفکروں اور مدبروں کی تقریروں تک کئی پروگرام سننے کا اتفاق ہوا، لیکن جو لطف PHILHORMONIC ORCHESTRA NEW YORK کا کانسرٹ، روی شنکر کا ستار وادن اور HENRY BELAFONTE کا گانا سننے اور AMERICAN BALLET دیکھنے میں آیا، اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ ان چیزوں کا محض ذکر کر دینا ہی کیف و سرور میں ڈوبی ہوئی یادوں کے قافلے کو آواز دینا ہے۔ آرکسٹرا میں تقریباً ڈیڑھ سو سازندے تھے اور اس کمال ہم آہنگی سے سُر اٹھاتے اور ملاتے تھے، کہ رات کے سناٹے اور سمندر کے تلاطم کا سا سماں بندھ جاتا تھا۔ امریکی بیلے اب تک بشمول روس کے بیسیوں ملکوں کا سفر کر چکا ہے۔ آج کل اسے امریکہ کی CULTURAL EXPORT NO.1 کہا جا رہا ہے، سانچے میں ڈھلے ہوئے پریوں کے سے جسم، پھولوں سے بھی نازک اور ہوا سے بھی ہلکے لباس! اس پر رنگ و نور میں ڈوبی ہوئی فضا میں بازوؤں کا مائل پرواز ہونا اور پھر سوئے ہوئے نغمے کے ساتھ لہراتے ہوئے نیچے اترنا، خواب کی سی کیفیت پیدا کر دیتا تھا۔

روی شنکر کے ستار وادن کا انتظام گریٹ ہال میں کیا گیا۔ گو امریکہ میں وائلن اور پیانو بجانے والوں کے انفرادی کانسرٹ ہوتے ہیں، لیکن زیادہ رواج سو سو، دو دو سو سازندوں کے اجتماعی کانسرٹوں ہی کا ہے۔ ایسے ماحول میں ایک غیر ملکی فن کار کا محض ایک طبلچی کی مدد سے اپنے کمال کا مظاہرہ کرنا تجربے سے کم نہیں تھا۔ ایشائی فن کار عموماً آنکھیں بند کر کے اور اپنے آپ میں مگن ہو کر ساز بجاتا ہے، لیکن روی شنکر جب پیلو اور بھٹیالی کے گزر گر دھن پر تھے تو فن کار اور سامعین میں جذباتی ربط کا یہ عالم تھا، کہ امریکیوں کے بھی پاؤں بجنے اور سر جھومنے لگے۔ کانسرٹ ختم ہونے کے بعد دس بارہ منٹ تک لوگ کھڑے ہو کر پر جوش طریقے سے تالیاں بجاتے رہے۔

BELAFONTE کا رنگ دوسرا تھا۔ وہ محض آرٹسٹ نہیں بلکہ PERFORMING ARTIST ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اب تک اس کے چالیس لاکھ سے زیادہ ریکارڈ فروخت ہو چکے ہیں۔ سامعین کے ہجوم کی وجہ سے اس کا کانسرٹ FIELD HOUSE میں ہوا، جہاں ایک وسیع خطے پر نہایت اونچی چھت کے نیچے نشستیں قطار در قطار کچھ اس طرح لگائی گئی ہیں کہ زمین سے آسمان تک سیدھی اٹھتی چلی گئی ہیں۔ بیلافانٹے نے ساڑھے آٹھ ہزار شائقین کے ہجوم میں جب گانا شروع کیا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ پوری کائنات موسیقی کے تصرف میں آ گئی ہے۔ وجد میں آنے کے بعد سامعین نے بھی گانے میں فنکار کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ ایسے دو گانوں کے چند ابتدائی الفاظ یاد رہ گئے ہیں، سنئے:

MY LOVE IS A DEW DROP ON A
MOUNTAIN SHE APPEARS AND
STAYS
CALLS MY NAME AND FADES.
MY LOVE.....

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

غزلیں

افسر سیوانی

شہر وہ شہر بھی نامہربانوں میں محبت بھری اک نظر کے لیے
اب وہ دل میں کوئی بھی دستک نہ دے اب یہ دروازہ کھلا کر کے لیے
ظلمتوں میں جو پوشیدہ تھے حادثے روشنی میں بھی آئینہ بن جائیں گے
ہم کو سورج کی کرنوں سے کیا مل گیا کیوں کہا ہم نے ناگی سحر کے لیے
زندگی کو تو فن سے کیا کام ہے زندگی اک مسلسل چیز کا نام ہے
یہ سفر بہت ہی کٹھن ہر گام ہے اس کا ہر ہر نقش سنگ سفر کے لیے
جب روشن ہوا اک سجدۂ اولیں قابل نازش فخر ہے وہ جبیں
وہ جبیں ناز کرنے کے قابل نہیں عام جو ہر اک سنگ در کے لیے
آج گلشن کی ہر شاخ ہے گلبدن چاندنی اور برسائی ہر رات
چاند دیکھو سحر جو بہار آگئی اب دعائیں نہ کرنا سحر کے لیے
یہ جہاں تو بہت ہی دلآزار ہے اس جگہ ہر نفس بیت پر بار ہے
اب نئی کوئی دنیا بسائیں کہیں آؤ سوچیں جہان دگر کے لیے
موسم گل کا عالم نہ کچھ پوچھئے زندگی بھر بچھے اپنے دھوکے دیئے
پیئے خون تمنا کی کئی آرزو ایسے بیتاب تھے جاگ کے لیے
بجھنے سوتی ہے تھے غم عشق سے آسماں کے ستاروں نے سب چن لیے
اب فصیل غم دل بنے کس طرح ایک آنسو نہیں چشم تر کے لیے
افسر انساں کی منزل بہت دور ہے اور پھر رہبروں کا بھی مقصود ہے
کعبہ و دیر بھی ہیں اسی راہ میں اب ارادہ ہے جس رہگذر کے لیے

عبدالرحیم نشتر

مشعل عزم روشن کرو ساتھیو
سینۂ تیرگی چیر دو ساتھیو
وقت کی دھڑکنوں کو سنو ساتھیو
تم ابھی راہ میں مت رکو ساتھیو
عشق کے پیڑ کی چھاؤں میں کچھ نہیں
اٹھو اٹھو یہاں سے چلو ساتھیو
پیار ہی مقصد زندگی ہے اگر
پیار انسانیت سے کرو ساتھیو

قوی دہلی

عالم ضبط الم لب پہ ہو نالہ جیسے
آنکھ پر نم ہے چھلکنے کو ہے پیالہ جیسے
یوں تو نام حسین ورد زباں رہتا ہے
برہمن جپتا ہو ہر دم کوئی مالا جیسے
یوں تری یاد کنہیا لے ہے دل مومن کی
ہند والوں کا نہیال ہے ہمالہ جیسے

اردو ہماری مشترکہ تہذیب کا سرمایہ

اردو جس نے دلی کو ہی نہیں سارے ہندوستان کو ایک نئی تہذیب، اتحاد اور رواداری بخشی اور جو سب سے پہلے دلی کی گلیوں میں مختلف مذاہب اور طبقوں کے لیے یکجہتی میل جول کا پیغام لائی وہ لشکری زبان جس کے دامن نے ہندوستان کی تہذیبوں اور روایتوں کو اپنے اندر سمو لیا اور ان کو بڑھتے بڑھتے ساری ہندوستانی قوم کا عظیم سرمایہ بنی ہماری حکومت کے چند تنگ نظر کارکنوں کی تنگ نظری کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آزادی کی بخشی ہوئی نعمتوں کے مالک ہونے والے اسی زبان سے غیر منصفانہ سلوک کر رہے ہیں جس نے ہماری جنگ آزادی کی تحریک میں دیگر تمام زبانوں کے مقابلہ میں ایک خاص اور اہم رول ادا کیا۔ ہمارے شہیدوں نے جس زبان میں قربانی اور حب الوطنی کے نغمے گاتے گاتے اور مسکراتے ہوئے سخت سے سخت مشکلات کا سامنا کیا، لڑائیاں لڑیں اور پھانسی کی ڈوریوں کو چوما، جس زبان کے ادیبوں اور شاعروں نے ہندوستان کے عوام میں جاگرتی پیدا کی، جس کے سپاہیوں نے پوری قوم کو جھنجھوڑا، آج اسی عظیم زبان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ کم از کم کانگریس سرکار سے ہرگز ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اردو والوں نے ہندی کو راشٹر بھاشا بنائے جانے پر کوئی مداخلت یا مخالفت نہیں کی۔ لیکن کچھ تنگ نظروں کے بہکانے میں آکر اردو والوں کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے کہ اردو کو اس علاقے کی علاقائی و ثانوی زبان بھی قرار نہیں دیا جا رہا ہے جس علاقہ میں وہ زبان پھلی پھولی اور پروان چڑھی۔ دلی والے دلی کی سابقہ بجلی کی زبان کے متعلق کمیٹی کے اس اعلان کو نہیں بھولے جب نافذ طور پر اردو کو دہلی کی علاقائی زبان تسلیم کیا گیا تھا۔ دہلی میونسپل کارپوریشن کی اکثریت بھی اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ ہندی کے بعد دہلی میں اردو کا مقام ہے لیکن اس کے باوجود ان تمام اعلانات کو کوئی قانونی شکل نہیں دی گئی اس کے باوجود اب تک اردو کو کچلنے کی پالیسی جاری ہے نہ اردو کی تعلیم کا انتظام ہے نہ اس کی تبلیغ و اشاعت کا۔ ایک علاقائی زبان کو جس طرح پرائمری سے بچوں کے لیے لازمی قرار دیا جاتا ہے اسی طرح اردو کو قرار دینے میں کیا دقت ہے۔ ایسی کونسی مصلحت ہے جس پر انصاف اور جمہوریت کی تمام قدروں کو قربان کیا جا رہا ہے۔

وہ لوگ جو اردو کو کسی خاص طبقہ کی زبان کہہ کر اسے کچلنا چاہتے ہیں وہ یقیناً بیوقوفوں کی جنت میں رہتے ہیں اور انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دلی کے بیدار مغز ہندو، سکھ، مسلمان اور عیسائی اس قسم کے غلط پروپیگنڈے سے گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے اس عظیم سرمایہ کو کھونے کے لیے تیار نہیں۔ وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اس قسم کے غلط پروپیگنڈوں سے ملک کی فضا کو خراب کیا جائے۔ پر امن تحریک سے اپنے حقوق کو حاصل کرنے میں کوئی برائی نہیں اور اسی لیے اردو والے پہلے ہی پر امن لیکن پر عمل تحریک کا آغاز کر چکے ہیں وہ اس وقت تک اس تحریک کو جاری رکھنے کا تہیہ کر چکے ہیں جب تک وہ اپنے مقصد کو پا نہیں لیتے۔

(نند لال پروانہ ایڈیٹر "منزل")

صفحہ ۸ سے آگے

TRY TO REMEMBER
THE KIND OF SEPTEMBER
WHEN GRASS WAS GREEN
AND CORN WAS YELLOW.....

یہاں تفریح کا ایک پہلو سیر و سفر بھی ہے۔ یوں تو سیاحت کو کسی کلچر میں اہمیت حاصل نہیں، لیکن یہاں خاص بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنا کچھ وقت سیر و سیاحت میں صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ یہاں سفر کا بہترین زمانہ بہار یا پھر گرمیوں کا موسم ہے۔ آمد و رفت کے وسائل اس قدر ترقی یافتہ ہیں کہ شدید برف باری کے زمانے میں بھی سڑکیں کاروں سے بھری رہتی ہیں، لیکن سفر کی دیوانگی کا زمانہ بہار ہی ہے۔ انشائی مزاج رکھنے والوں کے لیے برف باری کا موسم بھی کچھ کم حسین نہیں ہوتا۔ اس کا لطف کچھ وہی جانتے ہیں جنھوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ جب برف گرنا شروع ہوتی ہے تو تھوڑی ہی دیر میں سڑکیں، مکان، عمارتیں، بازار، کاریں، چھتیں وغیرہ سب پر چاندی کی سی تہ چڑھ جاتی ہے۔ ہر شے سفید اور شفاف نظر آنے لگتی ہے۔ آسمان میں چاندی کے ذرے سے چمکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں گویا کسی نے زندگی کے ماتھے پر افشاں چن دی ہو۔ برف کو ہاتھوں اور چہرے پر گرتے دیکھیے تو روئی کا گالا سی لگتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یک لخت خاک و گرد کی دنیا سے نکل کر کسی ملکوتی عالم میں آگئے ہیں۔ بچے برف کے بت بناتے ہیں، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں برف کی گیندیں بنا بنا کر ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں یا کپڑوں میں ڈالتے ہیں۔ جھٹپٹے کے وقت عجیب سی نیلی نیلی روشنی پھیلتی ہے جو بڑی ہی روح پرور اور پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ میں نے پچھلے سال کینیڈا، ہارورڈ، کولمبیا، واشنگٹن، نیویارک، پرنسٹن وغیرہ کا سفر برف باری ہی کے موسم میں کیا اور بے حد لطف اندوز ہوا۔ اکثر علمی و ادبی کانفرنسیں EASTER کی رخصتوں میں ہوتی ہیں۔ اس زمانے میں برف پگھل چکی ہوتی ہے، ننھی ننھی پتیاں پیلی اور ہری کونپلوں سے جھانکنے لگتی ہیں اور سنہلی دھوپ کلیوں کو گدگدانے لگتی ہے۔ اس سال ASIAN STUDIES کی کانفرنس سان فرانسسکو میں منعقد ہو رہی ہے۔ ارادہ ہے کہ ان چھٹیوں میں TEXAS، COLORADO اور ARIZONA سے گزرتا ہوا اور GRAND CANYON دیکھتا ہوا سان فرانسسکو جاؤں گا۔ GOD'S COUNTRY یعنی کیلیفورنیا میں لاس اینجلیز، ہالی ووڈ وغیرہ کی زیارت کے بعد نیویارک اور واشنگٹن کو بھی آخری سلام کروں گا۔ واشنگٹن میں اس زمانے میں جیفرسن میموریل کے تالاب کے کنارے دور دور تک CHERRY کے پھول کھلتے ہیں اور CHERRY BLOSSOM FESTIVAL بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس کے بعد نیویارک میں WORLD'S FAIR دوبارہ کھل چکا ہوگا، غالباً اسے بھی دیکھ سکوں گا۔ جون میں شکاگو سے سیدھا یورپ کے لیے نکلوں گا۔ تقریباً ایک ماہ لندن رکنے اور برٹش میوزیم اور انڈیا آفس میں کچھ کام کرنے کا ارادہ ہے۔ بلجیم، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا، چیکوسلواکیہ کی سیاحت کرتا ہوا اور پیرس، روم اور قاہرہ دیکھتا ہوا وسط جولائی میں دہلی واپس پہنچوں گا۔ کسی کا کیا خوب مصرع ہے:

بات کرنے میں گزرتی ہے ملاقات کی رات

امریکہ میں ڈھائی سال کا یہ قیام بھی ملاقات کی رات ہی کی طرح تھا۔ اس دوران میں کیا کچھ کہا، کیا کچھ سنا، کیا کچھ دیکھا، کیا کچھ سیکھا؛ کیسے کیسے لوگوں سے ملا اور کتنا کچھ معلوم ہوا۔ کچھ پڑھا کچھ پڑھایا بھی۔ زندگی کی پیچیدگی، اس کے امکانات اور حدود کا عرفان بڑھا۔ دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔ حقیقت کے کئی پہلو اور کئی پرتیں نظر میں آئیں۔ ادب میں محض ایک رخ اور ایک پرت پر زور دینے کی کم مائیگی واضح ہوئی۔ صنعتی ترقی اور تمول کے تجربے اور روز افزوں فراوانی کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھیں اور انسانی روح کا کرب اور بے چینی بھی۔ رنگ اور نسل کا امتیاز دیکھا اور حقوق کی منظم جد و جہد بھی۔ دنیا کی کامیاب ترین جمہوریت میں ادب اور سماج کے رشتے پر مزید غور کرنے کا موقع ملا۔ فرد کی عظمت اور آزادیٔ اظہار کی حسین ترین مثالیں بھی دیکھیں اور ذہنی بے راہ روی کے نمونے بھی! نفسیاتی الجھنوں کی عکاسی بھی دیکھی اور مریضانہ انفرادیت کے مظاہرے بھی! قدم قدم پر انداز نظر میں ہمدردی کی ضرورت محسوس ہوئی اور رائے قائم کرتے ہوئے بے تعلقی کی اہمیت کا احساس ہوا۔ اور تو اور خود اپنے ادب، اپنے ملک اور اپنی تہذیب کو زیادہ صحیح طور پر دیکھنے اور اس کی خوبیاں اور خامیاں جاننے کے لیے ایک نیا زاویۂ نگاہ سامنے آیا۔ وقت کو مٹھی میں کس نے بند کیا ہے۔ سوچتا ہوں تو خیال گزرتا ہے کہ یہ پونجی شاید کچھ ایسی اکارت بھی نہیں گئی۔

سردار جعفری

اردو ۔ سیکولرازم کا پرچم

اردو زبان اور اس کے کروڑوں بولنے والے قابل مبارکباد ہیں۔ اس زبان کو گزشتہ ۵۰ سال سے کچلا جاتا رہا ہے کسی زبان کا مسلسل کچلا جانا اسے قابل مبارکباد نہیں بناتا، لیکن اردو اور اردو والے اس لیے قابل مبارکباد ہیں کہ آج اردو کا سوال ہماری سیکولر جمہوریت کے لیے امتحان بن گیا ہے۔ یہ بات قطعی واضح ہے کہ جب تک اردو کو اس کا جائز حق اور صحیح مقام حاصل نہیں ہو جاتا اس وقت تک ہندوستان میں سیکولرازم بھی صحیح معنوں میں قائم نہیں ہو سکتا۔

آج اس ملک میں سیکولرازم کی لڑائی لڑنے کی ذمہ داری اردو بولنے والوں کے کندھوں پر آپڑی ہے اور اردو والوں کو اپنی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر کے ملک میں سیکولرازم اور جمہوریت کی روح کو بھی زندہ رکھنا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ اچاریہ نریندر دیو نے ایک مرتبہ پنڈت گوبند بلبھ پنت سے زبان کے سوال کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا کہ

ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگ محفل

کسے دیکھ کر آپ شرمایئے گا

اردو اس کے حال کے لیے یہ شعر صرف آج ہی نہیں بلکہ آنے والے زمانے میں بھی کام آئے گا لیکن ایک دن ایسا بھی آجائے گا جب شرم کی منزلیں ختم ہو جائیں گی اور ہم اور وہ ایک ہو جائیں گے۔

اردو کے سوال پر ہم جو لڑائی لڑ رہے ہیں جسے بعض گوشوں سے "ہنگامہ" کا نام بھی دیا جاتا ہے صرف سیاسی لڑائی نہیں ہے۔ اس کے دوسرے اسباب بھی ہیں جن کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ضروری ہے بدقسمتی سے ہمارے ملک کی تقسیم عمل میں آئی اور اس کی وجہ سے بڑا زہر پھیلا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اب تک ایک اور متحد نہیں ہو سکے ہیں۔ اس پس منظر میں آج اردو کی لڑائی اور جدوجہد دراصل زندگی کے دو بنیادی تصورات کے بارے میں ہے اور جب تک ہم ان دو تصورات کی لڑائی کے سوال سے نہ نمٹ لیں۔ ہم اپنے ملک کی ترقی اور زبانوں کی حفاظت کے مسئلہ کو بھی نہیں حل کر سکتے۔

ہمارا ملک بہت قدیم ہے جس کی پانچ ہزار سال قدیم تاریخ ہے۔ یہ ایک شاندار اور مہذب ملک ہے اس کو ان دونوں تصورات کے متعلق جو آج ایک دوسرے سے باہم متصادم ہیں کوئی فیصلہ کر کے آگے بڑھنا ہوگا۔ ان میں سے ایک تصور یہ ہے کہ وقت کے ایک مخصوص مرحلے پر ہمارا ملک اپنی آخری منزل پر پہونچ چکا تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ بھی اس ملک میں آیا، وہ باہر کے ملکوں سے آیا۔ اس سے ہمیں ہمارے ملک کو یا ہماری تہذیب کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا، بلکہ نقصان ہوا اور خرابی پیدا ہوئی۔ میں اس تصور کو رجعت پرستی قرار دیتا ہوں اور اس کی بنیاد پر ملک کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دوسرا تصور یہ ہے کہ تہذیب اور تمدن دراصل تاریخ کی بہتی ہوئی دھارا ہے۔ زندگی کی ہر منزل اور ہر موڑ پر نئی نئی ندیاں اور نئی دھارائیں اس میں آکر ملتی ہیں۔ یہی ہمارا بھی تصور ہونا چاہیے کیونکہ ترقی جمود و سکوت میں نہیں حرکت میں ہے۔ اگر گنگا سے جمنا کو الگ کر دیا جائے اور گنگا میں ملنے والی سینکڑوں چھوٹی بڑی ندیوں کو اس سے الگ کر دیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ گنگا کلکتہ تک نہیں پہونچ سکے گی۔ اگر ہم دریائے برہمپتر کی محض اس لیے مخالفت کریں کہ پہلے وہ چین اور تبت سے بہتا ہوا آتا ہے اور اس کے بعد ہندوستان میں بہتا ہے، تو اس کی تائید کوئی احمق ہی کر سکتا ہے ہاں جغرافیہ داں اس کی تائید کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

اردو کا سوال دراصل اس سوال سے بھی جڑا ہوا ہے کہ آج ہمارے پاس ہندوستان کی تہذیب کا کیا تصور ہے، کیا ہندوستان کی تہذیب ہندو ہوگی، مسلم ہوگی یا بدھ مت کی تہذیب ہوگی ایک سوچنے اور غور کرنے کا سوال ہے اور اس سوال پر سوچتے ہوئے ہمیں دور تک جانا پڑے گا۔

اردو کے سوال کو حل کرنے کے لیے سب سے پہلے کھلے دل سے یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ ہم جس تہذیب اور زبان کو اپنائیں گے اس میں ہمارے ملک کی پانچ ہزار برس کی روایات بھی شامل رہیں گی

ہم سبھوں نے گوتم بدھ کے کئی مجسمے دیکھے ہیں۔ ان مجسموں میں بدھ کا جو چہرہ ہوتا ہے وہ وقار، محبت اور پیار سے بھرا نظر آتا ہے۔ لیکن گوتم بدھ کا یہ چہرہ کہاں سے آیا ہے۔ یہ چہرہ دراصل بدھ کا نہیں بلکہ یونانی دیوتا اپالو کا ہے، سب سے پہلے گندھارا (قندھار) میں مہاتما بدھ کا جو چہرہ بنایا گیا اس پر گہرا یونانی اثر غالب تھا اور وہ اپالو کے چہرے کو دیکھ کر بنایا گیا تھا۔ اسی بنیاد پر ان تمام مجسموں اور بدھ کے اس چہرے کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا جو اسی بدھ کے مجسمے کو گندھارا کے لوگوں نے بت کہنا شروع کیا۔ کیونکہ وہ "د" کے بجائے "ت" بولتے تھے۔ اس طرح "بت" کا یہ لفظ فارسی میں داخل ہو گیا۔ لیکن آج اس لفظ کو فارسی یا غیر ملکی قرار دے کر نکال پھینکا جا رہا ہے۔ زبانیں الفاظ کو نکال پھینکنے سے نہیں بنتی ہیں۔ آج اردو والوں کے سر پر سب سے بڑی اور بھاری ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ ہندی سے نفرت کیے بغیر اور اردو زبان کو کچلنے والوں سے نفرت کیے بغیر سیکولرازم کی جدوجہد کریں اور اور اس لڑائی میں سیکولرازم کا سب سے بڑا جھنڈا اردو ہے

مراسلات

اردو کے چند محاورات

کنور مہندر سنگھ بیدی نے موتی جھیل میں کانپور کارپوریشن کے مشاعرے کے اناؤنسر کی خدمات انجام دیتے ہوئے فرمایا:۔

"اگرچہ اردو میں چند محاورات ایسے بھی رائج ہیں جو میری قوم (سکھ) پر لاگو نہیں ہوتے مثلاً (۱) حجامت بنانا (۲) سر منڈاتے ہی اولے پڑنا (۳) حقہ پانی بند ہونا وغیرہ ۔۔۔۔۔۔ مگر میں پھر بھی اردو کو اپنی زبان کہنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔"

میں بیدی صاحب کی توجہ اردو کے چند ان محاورات کی طرف دلانا چاہوں گا جو صرف ان کی قوم کے ہی ترجمان ہیں۔ مثلاً (۱) چادر الٹی کر کے گلے میں ڈالنا (۲) آخری پرکھ والے (۳) ریشمی دھاگوں کا اڈا (۴) کنویں کا منڈا (۵) کلگی کا ناچ وغیرہ۔ (کرشن چندر کے مشہور ناول "غدار" میں ان کا استعمال دیکھیے)

اردو کسی خاص مذہب کی عکاس نہیں۔ یہ ہندوستان کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اس میں "شہید" اور "غازی" کا اسلامی نظریہ ہے تو "آواگون" کا ہندو فلسفہ بھی۔ یہاں "مرحوم" اور "آنجہانی" یکساں ہیں۔ پوری طرح "غیر مذہبیت" کا دور دورہ ہے۔ ہر قسم کے خیالات پیش کرنے کی وسعت ہے۔ اور ایسی ہی زبان زندہ رہ سکتی ہے جس میں عام فہمی اور عالمگیریت ہو۔

آج دنیا میں انگریزی زبان کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ ہمارے لیے "بدیسی" ہونے کے باوجود ہم اپنے احساسات وجذبات کو اس میں اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے کسے انکار ہوگا کہ انگریزی ادب میں زیادہ حصہ ایسا ہی پایا جاتا ہے جو ہندوستانی تہذیب و معاشرت سے دور ہے۔

اردو ہم سب کی زبان ہے۔ اس میں سب باتیں شامل ہوں تاکہ اس کا دائرہ وسیع ہو۔ اس طرح ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ ساتھ قریب بھی آجائیں گے۔ پھر بے شک اردو کو ہندوستان کی اور رواداری کا آئینہ دار ماننا پڑے گا۔

امید ہے ہمارے دوست کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں گے۔

(اشفاق حسین)

دلی اور اردو

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ صوبہ دلی میں اردو بولنے، اردو میں کاروبار چلانے اور خط و کتابت کرنے والوں کی کافی اکثریت ہے۔ اردو زبان کی مخالفت کرنے والے بھی اردو کے اخبارات رسالہ جات اور ادب کو انتہائی دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور اس زبان کی لطافت، ظرافت بانکپن، مخصوص ادا اور حلاوت کا لطف اٹھاتے ہیں۔ جو لوگ اردو کو صرف مسلمانوں کی یا غیر ملکی زبان تصور کرتے ہیں اپنی کج فہمی اور کوتاہ بینی کا ثبوت دیتے ہیں۔

اردو والوں نے ہندی کے بعد اردو کو دوسری علاقائی زبان تسلیم کرنے کے لیے جو جائز مطالبہ کیا ہے اس کو ماننے کے لیے سرکار کو فراخدلی سے کام لینا چاہیے اور صرف دلی ہی میں نہیں یوپی میں بھی بلا جھجک منصفانہ اقدام اٹھاتے ہوئے اردو کو زبان ثانوی کا درجہ دلا کر عام لوگوں کے جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔

(داس نکلینی)

سید محمود کی تعلیمی اسکیم

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڑھ اجلاس چہارم ۱۸۸۹ء میں سر سید نے اپنی تقریر میں ایک جگہ فرمایا ہے۔

"محمڈن اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی کے دسویں فروری ۱۸۷۳ء کے اجلاس میں سید محمود نے ایک نہایت کامل تجویز تعلیم علوم کی جو انھوں نے لندن میں بصلاح وہاں کے لائق پروفیسروں اور عالموں کے مرتب کی تھی پیش کی۔ اگر اس درجہ تعلیم تک مدرسہ پہنچ جائے تو قوم کے نصیب کھل جاتے۔"

کیا کوئی صاحب بتا سکتے ہیں کہ سید محمود کی یہ اسکیم کہاں مل سکتی ہے اور اس سے کیونکر استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

(معرفت انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ)

لوک گیتوں پر تحقیقی کام

ابھی تک لوک گیتوں پر اردو میں تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہوا ہے۔ البتہ ادارہ ادب الہ آباد کے مصنف اظہر علی فاروقی ایم۔ اے۔ ایم اے ایل۔ ایف۔ آر۔ اے۔ ایس نے اس طرف خاصی توجہ مبذول کی ہے چنانچہ ان کی ایک کتاب لوک گیت کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے جس پر اتر پردیش کی تعلیمی شناسی کمیٹی نے ۱۹۶۱ء میں ایک معمولی سے انعام کی سفارش کر کے ہمت افزائی بھی کی۔ اب وہ الشذ تیری ڈھید کے نام سے ایک کتاب ترتیب دینے کا ارادہ کر رہے ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کے لوک گیتوں پر مشتمل ہوگی۔ مصنف موصوف اپنے صوبہ اتر پردیش پر کام کر چکے ہیں اور اسی سلسلے میں وہ بہار راج کا دورہ کر رہے ہیں۔ چھپرا، ردولی گنج، دربھنگہ، مدھیا پچ، نگر، بیگو سرائے، مونگیر کے دیہاتوں سے اب وہ پورنیا ضلع میں سدھانی، قصبہ ٹولی بلیبار پور، کنا ماسبن پور وغیرہ دیہاتوں میں گھوم گھوم کر گیت جمع کر رہے ہیں۔ اس کہن سالی اور خستہ گری کو دیکھتے ہوئے ان کی یہ محنت شاقہ لائق ستائش ہے۔

(ملک نذیر احمد)

نیوپل میں انجمن کی شاخ کا قیام

۶ رجون ۱۹۶۵ء بروز اتوار بمقام پرائمری اردو اسکول نیوپل پچاس سے زائد اردو دوست حضرات کی دستخطوں کے ساتھ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ نیوپل کا پہلا جلسۂ عام ہوا۔

جلسہ کی صدارت جناب محمد نور عبد الحمید ملا نے فرمائی۔

انجمن کے عارضی سکریٹری سلام بن رزاق نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی تاریخ اور اس کی بیش بہا خدمات کا مختصراً جائزہ لیا، اور نیوپل میں اس کی ضرورت پر تبصرہ کیا، ساتھ ہی انجمن ترقی اردو (شاخ مہاراشٹر) کی جانب سے آئے ہوئے خطوط اور ضروری کاغذات کا خلاصہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد عارضی کمیٹی کے تیار کردہ آئین کو جلسہ عام کے سامنے پیش کیا اور تمام اراکین کو غور کرنے نیز کوئی ترمیم پیش کرنے کی دعوت دی۔ بالآخر متفقہ رائے سے "آئین" قبول کر لیا گیا نیز درج ذیل تجویز منظور کی گئی۔

تجویز:۔ انجمن ترقی اردو (شاخ نیوپل) کا یہ پہلا جلسۂ عام مقامی شاخ کے آئین کو منظور کرتا ہے اور طے کرتا ہے کہ اس کے مطابق عہدہ داران مجلس منتظمہ کا انتخاب کیا جائے۔ مندرجہ ذیل عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر:۔ جناب عبد العزیز یوسف میاں پٹیل
نائب صدر:۔ " معین الدین شیخ محمد کریل
سکریٹری:۔ سلام بن رزاق
جوائنٹ سکریٹری:۔ " اسماعیل حسین بخاری
خازن:۔ " عمر خاں عبد اللہ خاں دیش مکھ

مجلس منتظمہ:۔ (۱) آدم اسماعیل ماسٹر (۲) سیخ مختار (۳) محمد نور ملا (۴) امیر الدین پٹیل (۵) اسماعیل شیخ داؤد پٹیل (۶) عبد الرحمٰن پٹیل (۷) محمود دستے (۸) امیر پٹیل (۹) محمد عقیل کھوت (۱۰) نثار احمد بڈی (۱۱) محمد سعید ملا (۱۲) عبد القادر پٹیل (۱۳) انور دیوان (۱۴) محمد صالح کچھی (۱۵) اسماعیل سینہ دسلے (۱۶) عبد الرشید پٹیل (۱۷) عبد الحمید پٹیل عہدہ داران کے انتخاب اور مجلس منتظمہ کی تشکیل کے بعد ریاستی شاخ سے الحاق کے لیے درخواست دینے کی تجویز منظور کی گئی۔ صدر جلسہ نے اپنی صدارتی تقریر میں انجمن کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا اور جملہ اراکین سے بھی تعاون کی استدعا کی اور اعلان کیا کہ "ہم اردو کی بقا اور اس کے تحفظ کی خاطر آخری دم تک لڑتے رہیں گے" آخر میں سکریٹری نے تمام اراکین کا شکریہ ادا کیا۔

سلام بن رزاق
(سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)
شاخ نیوپل)

انجمن ترقی اردو دلی شہر کا قیام

دلی ۱۰ رجون آج انجمن ترقی اردو دلی شہر جنرل کونسل مجلس عاملہ عہدہ داران اور ریاستی کونسل کے لیے نمائندوں کا انتخاب مکمل ہو گیا علی منزل میں واقع انجمن کے دفتر میں آج شہری شاخ کے عام ممبروں کی ایک نمائندہ اور بڑی میٹنگ ہوئی جس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے فرمائی انجمن ترقی اردو دلی شہر کے صدر کی حیثیت سے مسٹر برج موہن لیڈر کانگریس میونسپل گروپ کا نام متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔ دوسرے انتخابات بھی متفقہ طور پر ہوئے۔ دس ابتدائی ممبروں پر ایک ممبر کے حساب سے جنرل کونسل میں ایک سو ممبروں کا انتخاب ہوا جن کا تعلق شہر کی مختلف سیاسی سماجی ادبی اور ثقافتی شعبوں سے ہے۔ بعد ازاں جنرل کونسل نے ۲۱ افراد پر مشتمل مجلس عاملہ منتخب کی اور پھر عہدیداروں کا انتخاب ہوا، کونسل نے نائبین صدر کے طور پر جناب مقیم الدین فاروقی اور جناب خوشتر گرامی کا انتخاب کیا، بہار برنی کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ دوسرے عہدیدار اس طرح نامزد ہوئے جوائنٹ سکریٹری بیگم تیمور جہاں صاحبہ اور ظفر ادیب اسسٹنٹ سکریٹری محمود سعیدی اور خازن مولانا عزیز الرحمٰن جامعی، مجلس عاملہ میں مندرجہ ذیل حضرات منتخب ہوئے:۔

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، میر مشتاق احمد صاحب، مقیم الدین فاروقی صاحب، جناب داس اختر صاحب، دھرم پال گپت وفا صاحب، بیگم حمیدہ سلطان صاحبہ، ڈاکٹر خلیق انجم، حاجی محمد صالح صاحب، بیگم شمیم نیر صاحبہ، علیم اختر مظفر نگری صاحب، دوارکا داس شعلہ صاحب، قاضی معز الدین احمد صاحب، حکیم محمد سعید صاحب، جناب ایف۔ ایم بیگ، جناب حکم چند سیٹھ، سید جواد علی صاحب، عزیز احمد صاحب، ناظم صاحب، طاہرہ صاحبہ، رشید علوی صاحب، قمر قریشی صاحب، ڈاکٹر تنویر علوی صاحب، شیخ محمد ہارون صاحب جاپان والے، مسٹر سلیمان صابر، رفیق عزیز بیگ صاحب۔ ڈاکٹر محمود قادری صاحب، اور محمد کلیم صاحب صدیقی۔

ریاستی کونسل کے لیے مندرجہ ذیل نمائندے منتخب ہوئے۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، میر مشتاق احمد، مقیم الدین فاروقی خوشتر گرامی، بیگم حمیدہ سلطان، بیگم شمیم نیر، بہار برنی، ظفر ادیب شیخ محمد ہارون جاپان والے اور رشید علوی۔

میٹنگ میں انجمن کے آئندہ پروگرام پر بھی تبادلۂ خیال ہوا اور تنظیمی مقاصد کے لیے ایک سب کمیٹی بنا دی گئی۔ (الجمعیۃ دلی)

انجمن ترقی اردو حلقہ مچھوا بازار

انجمن ترقی اردو حلقہ مچھوا بازار (کیلا بگان) کے ممبروں کا

ایک عام جلسہ بروز جمعہ مورخہ ۱۱ر جون ۱۹۷۵ء بوقت ۸ بجے شب بمقام کلکتہ ویلفیر ہال منعقد ہوا۔ جس میں حلقہ کی طرف سے ضلع کونسل کے لیے ۹۹ نمائندوں، اور مجلس انتظامیہ کے لیے ۲۱ ممبروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ اسی موقع پر حلقہ کے لیے تین سرپرست کا انتخاب بھی ہوا۔ جناب غلام قادر خاں اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے الکشن آفیسر کے فرائض انجام دیئے اور مندرجہ ذیل حضرات مجلس انتظامیہ کے عہدیدار و ممبران منتخب ہوئے۔

سرپرست :۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، ڈاکٹر مظفر محمد سرکار۔

صدر :۔ عبدالرؤف انصاری صاحب جے۔ پی کونسلر

صدر عامل :۔ حافظ محمد طاہر علی صاحب بی۔ اے (آنرز)

نائبین صدر :۔ شری راجیشور سنگھ ایڈیٹر روزنامہ سما رگ اور عبدالستار نیازی صاحب بی کام

جنرل سکریٹری :۔ عبدالستار شاہدی بی۔ اے (آنرز)

خازن :۔ ظفر احمد صاحب بی کام

اسسٹنٹ سکریٹری :۔ عبدالحفیظ، ماسٹر شرف الدین صاحب محمد یحییٰ انصاری صاحب۔

آفس سکریٹری :۔ محمد نظام الدین مشتاق احمد نور صاحب

پبلسٹی سکریٹری :۔ عبدالخالق شاداں صاحب

ممبران :۔ محمد انیس صاحب، محمد ہاشم خاں صاحب، محمد یوسف صاحب، ولی شمد صاحب، محمد مبارک صاحب، عبدالستار صاحب، محمد اختر عالم صاحب، بشیر احمد عاصی صاحب، محمد شفیع صاحب۔

(عبدالستار شاہدی جنرل سکریٹری)

انجمن ترقی اردو کوسگی کی ایک قرارداد

باشندگان قصبہ کوسگی کے اردو بولنے والوں کا یہ جلسہ عام چیف منسٹر صاحب آندھرا پردیش کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتا ہے کہ اس ریاست میں انگریزی کے بجائے تلگو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے اس سال ایک مسودہ قانون اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔ ریاستی حکومت کا یہ اقدام بہت بروقت ہے اور اس لیے ہم سب کی تائید کا مستحق ہے۔ اس موقع پر ہم ریاستی حکومت کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ تلگو کے ساتھ ساتھ اس ریاست کی سب سے بڑی زبان اردو ہے جو نہ صرف یہاں کے پینتیس لاکھ باشندگان کی مادری زبان ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی اس زبان کے لاکھوں بولنے والے ساری ریاست میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مجوزہ قانون ہی میں اردو کے حقوق کا بھی تحفظ کر دیا جائے اور اس طرح اردو کے متعلق جو نیک نامی آندھرا پردیش کو سارے ملک میں حاصل ہے اسے برقرار رہنے دیا جائے۔

اس کی ایک ایک کاپی عالی جناب چیف منسٹر صاحب حکومت آندھرا پردیش و سکریٹری صاحب انجمن ترقی اردو حیدرآباد و جنرل سکریٹری کل ہند انجمن ترقی اردو علی گڑھ مرسل ہے۔

(محمد عبدالوہاب سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ اکولہ کے انتخابات

اراکین انجمن ترقی اردو شاخ اکولہ (مہاراشٹر) کا عام جلسہ عثمان آزاد اردو ہائی اسکول میں بتاریخ ۱۲ جون بوقت ۱۱ بجے زیر صدارت محمد عثمان فاروقی صاحب منعقد ہوا جس میں سال رواں کے لیے عہدیداروں اور اراکین مجلس منتظمہ کا انتخاب حسب دستور عمل میں آیا۔

(۱) صدر۔ جناب خان محمد اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ اکولہ (۲) نائب صدر۔ جناب رام رنگ آمر صاحب اکولہ (۳) سکریٹری۔ جناب بشیر احمد صاحب شہید ایم۔ اے اکولہ (۴) جائنٹ سکریٹری۔ جناب حسین علی صاحب یونی گریجویٹ اکولہ۔ (۵) خازن۔ جناب محمد عثمان فاروقی صاحب اکولہ۔ اراکین مجلس منتظمہ :۔ (۱) جناب قاضی محمد علی صاحب وکیل (۲) جناب محمد ابراہیم صاحب سنبھل وکیل (۳) جناب ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب (۴) جناب محمد حسین ممدوے صاحب (۵) جناب رونق صاحب (۶) جناب عبدالحمید ماہر (۷) جناب محمد ہارون شاد (۸) جناب خواجہ سعیدالدین سرخاب (۹) جناب سید ظفر علی اجنتا ورکشاپ اکولہ (۱۰) جناب سید محسن شہیدی (۱۱) جناب تحسین انصاری ٹیچر۔ (۱۲) جناب مصباح گیلانی ٹیچر۔

(بشیر احمد شہید ایم۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ اکولہ (مہاراشٹر))

گوالیار میں نہرو برسی پر سیمپوزیم

انجمن ترقی اردو گوالیار کی جانب سے مرحوم وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی برسی کے موقع پر مدھیہ پردیش چیمبر آف کامرس میں ایک سیمپوزیم منعقد کیا گیا جس میں پنڈت نہرو کی شخصیت اور کارناموں پر شہر کے مشہور ادیبوں، صحافیوں، دانشوروں اور رہنماؤں نے روشنی ڈالی اور نامور شعرا نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

انجمن کے صدر پنڈت وشوناتھ کول نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا "پنڈت نہرو بہت بڑے فلسفی تھے، وہ دنیا میں امن کا پیغام لے کر آئے تھے۔"

مشہور صحافی جناب مکھن لال شرما نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا "پنڈت نہرو جیسی عظیم ہستی کے بارے میں ہم جیسے معمولی انسان کا بولنا بہت مشکل کام ہے وہ اس صدی کے عظیم ترین انسان تھے۔"

کامریڈ کاشی ناتھ گپتا نے زبان کے بارے میں پنڈت نہرو کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا "زبان کے بارے میں پنڈت نہرو کا نظریہ بہت وسیع تھا۔ ہمیں ایسی زبان کا استعمال کرنا چاہیے جسے عوام آسانی سے سمجھ سکیں۔"

محترمہ فاطمہ بیگم نے کہا "پنڈت نہرو کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے راستہ پر بھائی چارگی اور محبت کے ساتھ بڑھتے چلے جائیں۔"

کامریڈ موتی لال شرما نے پنڈت نہرو کی غیر جانبدارانہ پالیسی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا "پنڈت نہرو ہندوستان کے عظیم سپوت تھے، وہ بہت بڑے ادیب بھی تھے۔ ان کی تخلیقات کو دنیا کے کسی بھی بڑے ادیب کی تخلیقات کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان کی غیر جانبدارانہ پالیسی دنیا کے لیے ایک عظیم دین ہے۔"

جلسے کے صدر جناب سید حامد علی شاہ نے اپنی تقریر کے دوران میں کہا "پنڈت نہرو ایک عظیم رہنما تھے۔ انھوں نے ہمارے ملک کو فرقہ پرستی اور تنگ نظری کی لعنت سے پاک کرنے اور ملک کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔"

ایک قرارداد کے ذریعہ شاہ صاحب نے پاکستان کی جارحانہ کارروائی کی مذمت کی اور رن آف کچھ کو بھارت کا اٹوٹ حصہ قرار دیا۔ ساتھ ہی حکومت کو یقین دلایا کہ قومی یکجہتی اور ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے ہم ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔

دوسری قرارداد انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر صدیقی نے پیش کی۔ اس قرارداد میں پنڈت نہرو کو ہندوستان کا معمار اعظم بتایا گیا۔ وہ مشترک تہذیب اور قومی یکجہتی کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ وہ ملک کی تمام زبانوں کی ترقی کے خواہاں تھے۔ اردو ان کی مادری زبان تھی اور وہ اس کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔

قرارداد میں آگے کہا گیا کہ مرحوم رہنما نے جن کاموں کو ادھورا چھوڑا ہے اور جن مقاصد کو حاصل کرنے میں انھیں پوری کامیابی نہیں ہوئی، ہم ہندوستانی عوام انھیں پورا کریں گے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں گے۔

اس موقع پر جن شعرا نے پنڈت نہرو کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ان کے نام یہ ہیں: جناب ریاض الدین انصاری، جناب فیاض گوالیاری، جناب ندا فاضلی، جناب نثار پرویز، جناب مہاراج نرائن ور، جناب تصور گوالیاری۔

(اسلام الدین قریشی، سکریٹری انجمن ترقی اردو گوالیار)

انجمن تعمیر اردو کی ہفتہ وار نشست

دلی، ۲۰ جون۔ انجمن تعمیر اردو دلی کی ہفتہ وار ادبی نشست اتوار کو شام کے ۶ بجے اردو ہال اردو بازار میں منعقد ہوئی۔ منشی عبدالقدیر صاحب نے صدارت فرمائی۔ پروفیسر کرامت علی کرامت، لکچرار سائنس کالج انگل (اڑیسہ) نے جو ملک کے مشہور نوجوان ناقد اور محقق ہیں، ایک نہایت عالمانہ اور پر مغز مقالہ پڑھا۔ مقالہ کا عنوان تھا "جدید شاعری کے بعض مسائل اور قدیم و جدید معیار ادب، ترقی پسندی کا پس منظر"۔

گلزار دہلوی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ دلی، لکھنؤ، علی گڑھ، رامپور، حیدرآباد یا لاہور کے مراکز میں بیٹھ کر خدمت ادب یا تخلیقی کام کرنا بھی بہت خوب ہے مگر جو لوگ بنگال، مدراس، کیرل، اڑیسہ یا آسام ایسے دور افتادہ جگہوں میں تخلیق یا تبلیغ ادب اور نشر و اشاعت کا ٹھوس ادبی کام کر رہے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ان کی زباندانی، شاعری اور تحقیق کی دگنی قدر کرنا چاہیے۔

جناب انیس مرزا صاحب نے ایک کہانی بہ عنوان "اگر اور جیتے رہتے...." پڑھی اور پھر شعرا نے اپنا کلام سنایا۔

(گلزار دہلوی)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ پنویل کا الحاق ہو گیا

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ پنویل ضلع قلابہ کا باقاعدہ الحاق ریاستی شاخ مہاراشٹر سے ہو گیا۔ پنویل کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ پنویل کے ممبر بن کر اردو کے مقاصد کو تقویت پہنچائیں۔

رکن سازی کے فارم حاصل کرنے کا پتہ:

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ پنویل عمر خاں بلڈنگ، محمد بیوپار محلہ پنویل ضلع قلابہ (مہاراشٹر) کمیٹی شعبہ نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

افکار فیض نمبر

مرتبہ صہبا لکھنوی
ناشر:- مکتبۂ افکار، رابسن روڈ کراچی
قیمت:- بارہ روپے

رسالہ افکار کراچی نے بعض زندہ شخصیتوں پر خاص نمبر نکال کر ادبی حلقوں میں ایک خصوصی امتیاز حاصل کرلیا ہے۔ اس سے پہلے جوش ملیح آبادی اور حفیظ جالندھری پر جو خاص نمبر نکلے وہ بعض اختلافی مضامین کی شمولیت کے باوجود دستاویزی اہمیت رکھتے ہیں۔

فیض اس وقت اردو کے ان شعرا میں ہیں جن کی ادبی اہمیت اور شاعرانہ قدروقیمت کا اعتراف نئے اور پرانے سبھی کرتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اردو شعرا کی کئی نسلوں کو متاثر کیا ہے بلکہ اپنی دلآویز شخصیت اور کردار کی وجہ سے ان کی ذات ایک افسانوی دلچسپی کی حامل ہوگئی ہے۔ ۱۹۳۶ء کے بعد ابھرنے والے شعرا میں وہ واحد شاعر ہیں جن پر ان کی زندگی میں ہی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ "افکار" نے اپنی اس خصوصی اشاعت میں فیض سے متعلق بعض پرانے مضامین کو بھی جگہ دی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان مضامین میں فیض سے متعلق بصیرت افروز اشارے ملتے ہیں جن سے ان کے مخصوص شعری مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ خاص طور پر پروفیسر آل احمد سرور کا وہ مقدمہ جو "زنداں نامہ" کے ہندوستانی ایڈیشن کے لیے تحریر کیا گیا تھا اور ممتاز حسین، ڈاکٹر مسعود حسین اور سلامت اللہ خاں کے مضامین آج بھی اپنے اندر وزن رکھتے ہیں۔ فیض نمبر کے لیے جو نئے مضامین خاص طور پر لکھوائے گئے ہیں ان میں پروفیسر احتشام حسین اور مجتبیٰ حسین کے مضامین ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ بقیہ مضامین میں عام طور پر پچھلی تنقیدوں کی ہی بازگشت ملتی ہے۔ البتہ جمیل جالبی اور ابن فرید کے مضامین میں بعض نئے پہلوؤں کو ابھارا گیا ہے۔

"شخصیت" کا حصہ خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے لیکن دو ایک مضامین کے علاوہ جن سے ان کی گھریلو زندگی کا کچھ علم ہوتا ہے دوسرے مضامین تشفی بخش نہیں ہیں۔ پیغامات اور منظوم خراج عقیدت میں بھی عام طور پر رسمی انداز ملتا ہے۔ خطوط والے حصے میں ان پانچ خطوں کو چھوڑ کر جو انھوں نے جیل سے اپنی بیوی کو لکھے ہیں دوسرے خطوط کچھ یونہی سے ہیں۔ فیض کے کلام کا بیشتر حصہ آگیا ہے، کچھ غیر مطبوعہ چیزیں ہیں، کچھ تقریریں اور دیباچے وغیرہ بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

"افکار" کا فیض نمبر خاصی تیاری کے بعد نکلا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صہبا صاحب نے بھی بڑی محنت کی ہے اور اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے اس نمبر کے سلسلے میں ان حضرات نے تعاون نہیں کیا جن کی تحریریں اس خصوصی اشاعت کے لیے کارآمد ہوسکتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرتب کو دوسرے مضامین سے صفحات پُر کرنے پڑے۔ امید ہے فیض نمبر کی اشاعت ثانی میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔

پاس گریباں

مجموعہ کلام سلیمان اریب
شایع کردہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد
قیمت دو روپے پچاس پیسے

سلیمان اریب اردو کے خاصے جانے پہچانے شاعر ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام اس وقت شایع ہوا ہے جب وہ شاعری کی دوسری منزل پر ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے انتہا پسندانہ دور میں انھوں نے جو نظمیں لکھی تھیں ان میں سے بیشتر مجموعے میں شامل نہیں کی گئی ہیں کیونکہ خود اریب کو یہ احساس ہے "ان میں نعرہ بازی زیادہ آگئی ہے اور ادب کا تناسب کم ہوگیا ہے۔" اریب نے اس ہنگامی دور کے ختم ہونے کے بعد اپنے شعری مزاج کو پہچانا۔ وہ دراصل غنائی شاعری کے لیے زیادہ موزوں ہیں اور ان کی شخصیت کا اظہار تغزل کے پیرائے میں زیادہ موثر طور پر ہوتا ہے۔ ۱۹۴۴ء کی ایک ابتدائی نظم سے اریب کی اٹھان کا پتہ چلتا ہے۔

جانے کب تک تجھے اللہ نے شاعر بن کر
شعر نازک کی طرح ذہن میں سوچا ہوگا
جب کہیں دہر کے دیوانِ مقدر میں تجھے
گنگناتے ہوئے گاتے ہوئے لکھا ہوگا

یہ لہجہ جو درمیان میں دب گیا تھا ۱۹۵۱ء کے بعد کی غزلوں میں پھر بڑی آن بان کے ساتھ ابھرا ہے۔ اگرچہ ان کی کم گوئی کی وجہ سے ان کی شخصیت ابھی کھل کر سامنے نہیں آنے پائی ہے ہمیں توقع ہے کہ وہ بہت جلد جدید تر شعری ذہن سے مناسبت پیدا کرلیں گے اور ہمیں ان کا دوسرا مجموعہ کلام مستقبل قریب میں پڑھنے کو ملے گا۔

"ہماری زبان"
کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں وہ کاغذ کے ایک جانب لکھے ہوں

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا۔